

پیسے میں بہت طاقت ہے!

چار دہائیوں سے مکمل اقتدار پر قابض لوگوں کی گرفت پہلی بار کمزور ہوتی نظر آ رہی ہے۔ 1985 کے بعد پہلی بار ہورہا ہے کہ الیکشن اور اس سے پہلے دورانیہ میں آنکھ کا اشارہ سمجھنے والی انتظامیہ قدرے کم ہے۔ قدرے کا لفظ بے حد اہم ہے۔ اسلیے کہ نگران حکومت مکمل طور پر غیر جانبدار افسروں کی تعیناتی میں یکسر ناکام رہی ہے۔ بہر حال جو رتی بھر بھی نیوٹرل سیٹ اپ لانے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس پر بھی چیخ و پکار بلکہ آہ وزاری ہورہی ہے۔ دعویٰ سے عرض کرتا ہوں کہ اگر مکمل طور پر غیر متعصب افسر، دوسرے صوبوں سے پنجاب میں تعینات کیے جاتے تو الیکشن حد درجہ مختلف ہونا تھا۔ عسکری صاحب ایک صاحب علم انسان ہیں مگر انتظامی باریکیوں سے آگاہ کرنے والے لوگ انکے پاس قطعاً موجود نہیں ہیں۔ بہر حال جو ہے، اس پر اکتفا کرنا ہوگا۔ شاید آئیڈیل صورتحال اس بد قسمت ملک کے نصیب میں ہی نہیں ہے۔

پانچ برس سے کالم لکھنے کا کم از کم مجھے ایک عجیب سا نقصان ہوا ہے۔ جن لکھاریوں کو پڑھنا خوش قسمتی سمجھتا تھا۔ دنیا کے جس بھی کونے میں ہوتا، انہیں پڑھے بغیر چین نہ آتا تھا۔ اکثریت کو جب قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، تو انکو بھی ان تمام علتوں میں غرقاب پایا جو معاشرے یا عام آدمی میں پائی جاتی ہیں۔ غالب اکثریت اپنے معاشی حالات بہتر سے بہترین کرنے کی مہم پر ہے۔ لاکھوں روپے ماہانہ تنخواہ پانے والے بھی، ہر وقت مسند اقتدار کے قرب میں رہنا فرض سمجھتے ہیں۔ دونوں ہاتھوں سے پیسہ بٹورنا شاید اب انکی سرشت میں رس بس چکا ہے۔ حد تو یہ ہے کہ تھوڑے سے منافع کیلئے، اپنی تحریر اور بیان کو مقتدر گروہ کیلئے اس بے شرمی سے استعمال کرتے ہیں کہ پڑھنے بلکہ سمجھنے والے کو شرم آتی ہے۔ لازم ہے کہ تمام دانشور ایسے نہیں ہیں۔ مگر اکثریت اب وہی کچھ کر رہی ہے جو سکہ رائج الوقت ہے۔ عرض کرتا چلوں کہ اس شعبے میں درویش صفت انسانوں کی بھی کمی نہیں ہے جو ہر منفعت سے اوپر اٹھ کر قلم سے نہیں بلکہ اپنے خون سے لکھ رہے ہیں۔ مگر انکی تعداد بے حد کم ہے۔ بہت ہی کم۔

تیس برس بذات خود ملک کو برباد ہوتے دیکھا ہے۔ دل دکھتا ہے۔ ویسے اب مجھے جمہوریت یا جمہوریت کے نام پر سوبیلین ڈیکٹیٹرنگ سے کوئی دلچسپی نہیں۔ صرف یہ کہہ دینا کہ جنرل پرویز مشرف نے ہمارے ساتھ بڑا ظلم کیا۔ ترقی کا پہیہ جبراً روک دیا۔ اس بیانیے میں کسی قسم کا وزن نہیں رہا۔ دلیل سے لکھ رہا ہوں کہ مشرف دور میں ہمارے ملک کی صورتحال ہر طریقے سے بہتر تھی۔ مہنگائی سے لیکر اقتصادی ترقی کے تمام اہداف، دس سال کے ادنیٰ دور سے بہتر تھے۔ سوچیے، کہ کیا اس جمہوریت کو چاٹنا ہے جس نے پاکستان کو اقتصادی قبرستان بنا کر رکھ دیا ہے۔ بین الاقوامی ساکھ رکھنے والے تمام ادارے شور مچا رہے ہیں کہ پاکستان کو ایک رقیق منصوبہ بندی کے تحت کمزور کیا جا رہا ہے۔ وہ ہماری مشکل سے خوفزدہ ہیں۔ مگر ہمارے سیاستدان، سفید جھوٹ بول کر معاشی طور پر تباہ کرنے میں کامیاب رہے ہیں۔ بڑے بڑے ترقیاتی منصوبے جیسے میٹرو، اورنج ٹرین، موٹرویز، کارپینڈ سٹریٹس بننی چاہیے، مگر سوال یہ ہے کہ کب۔ پوری دنیا میں مسلمہ اصول ہے کہ پہلے اپنے اپنے ملک کی معاشی صورتحال درست کرو۔ لوگوں کو صحت اور بنیادی ضروریات

مہیا کرو۔ اسکے بعد، مہنگے اور نظر کو خیرہ کرنے والے ترقیاتی منصوبہ شروع کرو۔ مگر ہمارے ملک میں ان دس برسوں میں آل شریف اور زرداری نے اس ترتیب کو مکمل طور پر الٹ کر دیا۔ یعنی عوام کی بنیادی ضروریات جائیں جہنم میں۔ صحت، پانی، روزگار اور مہنگائی کو کم کرنے کی منصوبہ بندی کو بالائے طاق رکھتے ہوئے، صرف اور صرف مہیب منصوبے شروع کیے گئے۔ کسی قسم کی منصوبہ بندی کے بغیر چین اور دیگر مالیاتی اداروں سے پانچوں کی طرح قرض لیکر وہ چیزیں بنانی شروع کر دیں، جو بنیادی ترجیحات سے بہت بعد میں آتی ہیں۔ مقصد صاف ظاہر ہے۔ جتنا بڑا منصوبہ تھا، اتنی بڑی کمیشن کی رقم۔ ابھی تو لوگوں کو اندازہ ہی نہیں کہ اس دس برس میں ملک میں کتنی کرپشن ہوئی ہے۔ کیا اور نچ ٹرین ضروری ہے یا پانی کو ضائع ہونے سے بچانے والے ڈیم۔ کیا میٹرو ضروری تھی یا سستی بجلی پیدا کرنے کیلئے آبی ذخائر کو بنانا۔ کیا موٹرویز کا جال بچھانا ضروری تھا یا ملک کی پیداواری صلاحیت کو بڑھا دینا۔ ان غلط ترجیحات کی اصل وجہ صرف ایک تھی۔ آل شریف کے ذہن میں پختہ یقین تھا کہ پاکستان انکی ذاتی جاگیر ہے۔ عوام مکمل طور پر بیوقوف ہیں۔ اپنے آپ کو ہر طریقے کے احتساب سے بالاتر تصور کرنے والے ان لوگوں نے سرکاری باہوؤں کی ایک ایسی ٹیم تشکیل دی۔ جنکا کام چوہدری کے میراثی سے بڑھ کر نہیں تھا۔ ہر وقت میرٹ اور شفافیت کا ڈھول اتنا بجایا گیا کہ اب معلوم ہوا کہ ڈھول تو عرصے سے پھٹ چکا تھا۔ تمام اہل اور ایماندار افسروں کو منصوبہ بندی کے تحت معطل بنا دیا گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نہ ترقی ہو سکی اور نہ سیاسی فائدہ۔ ان افسروں نے اپنی سطح پر اتنی لوٹ مار کی کہ انکی سات نسلیں سنور گئیں۔ اس مخصوص گروپ کی کرپشن پر آل شریف نے کبھی کوئی قدغن نہیں لگائی۔ بلکہ ہر طریقے سے حوصلہ افزائی کی گئی۔ چنانچہ ایک ایسا خطرناک نظام بنا دیا گیا، جس سے ملک کی جڑیں ہل گئیں۔ نام نہیں لے سکتا۔ ایک ریٹائرڈ سینئر افسر بڑے اہتمام سے لوگوں کو بتاتے تھے کہ میرا بھانجا آج کل پنجاب حکومت میں سیکرٹری ہے۔ وہ تو پاکستانی ملبوسات کو ہاتھ نہیں لگاتا۔ اسکے تمام سوٹ اٹلی کے ہیں۔ اسکی گھڑی تیس لاکھ سے زیادہ ہے۔ جوتے بھی پچاس ہزار سے اوپر ہیں۔ اس ریٹائرڈ افسر نے کبھی یہ نہیں کہا کہ انکا بھانجا مسند اقتدار کے سامنے سجدہ ریز ہے اور ہر غلط کام کرنے میں پیش پیش ہے۔ اب ان لاکھوں روپے کے سوٹ پہننے والے بھانجے کو صوبہ بدر کیا گیا ہے۔ تو اس ریٹائرڈ سرکاری باپے نے کھرام مچا رکھا ہے۔ ہر وقت دفاعی اداروں اور عدلیہ کو غلیظ ترین گالیاں دیتا رہتا ہے۔ دس برس میں ہر کامیاب سرکاری باہو کی اسی طرح کی کہانی ہے۔ جب انہوں نے اپنے ہاتھ سے اوپر پیسے پہنچانے ہیں تو پھر رشوت لینے میں کیا حرج ہے۔ اس منافق ملک میں اس گروہ نے زبانی طرز عمل یہ رکھا کہ ہر وقت شفافیت اور میرٹ کا ورد کرنا شروع کر دیا۔ اس حکمت عملی کے تحت صرف پنجاب میں کھربوں روپیہ لوٹا گیا۔

ذرا تصور کیجئے کہ "صاف پانی سکینڈل" میں ہر منظوری دینے کے بعد، یہ کہا جا رہا ہے کہ تمام فیصلے میرٹ پر کیے گئے ہیں۔ خدا کی پناہ۔ پچاس لاکھ کی رقم سے لگنے والا پانی کا پلانٹ ڈیڑھ کروڑ میں لگا گیا۔ جب نیب یہ پوچھتی ہے کہ ایک کروڑ سے زائد رقم ٹھیکیدار کو کیوں دی گئی، تو سینہ کو بی شروع ہو جاتی ہے کہ سیاسی انتقام لیا جا رہا ہے۔ آواز اٹھائی جا رہی ہے کہ ہمارے کام پر پوچھ گچھ کیوں۔ ہم تو احتساب سے بالاتر مخلوق ہیں۔ چلیے نیب کو چھوڑیے۔ جب پاکستان کا چیف جسٹس، سابقہ وزیر اعلیٰ سے پوچھتا ہے کہ افسروں کی تنخواہیں بیس لاکھ بلکہ پچیس لاکھ کس قانون کے تحت بڑھائی گئیں۔ تو جواب ملتا ہے کہ میں نے تو اربوں روپے کی بچت کی ہے۔ کسی سوال کا سنجیدہ اور معقول

جواب نہیں دیا جاتا۔ سندھ میں بھی یہی صورتحال ہے۔ فرق صرف یہ کہ وہاں پارسائی کا کوئی دعویٰ نہیں کیا جاتا۔ بے ایمانی کے نظام کو انتہائی ایمانداری سے چلایا جا رہا ہے۔ گزشتہ دس برس میں ہر پوسٹ باقاعدہ ایک خاص مدت کے لیے نیلام ہوتی رہی ہے۔ جو بھی اہلکار پیسے دیکر تعینات ہوتا تھا، اسے اپنے دیے گئے پیسے پورے کرنے کی پوری آزادی تھی۔ شائد اب بھی ہو۔ کیونکہ سندھ کے نگران وزیر اعلیٰ، زرداری کے گھریلو سطح کے ملازم ہیں۔ انکی مجال ہی نہیں کہ زرداری صاحب کے خاندان کی اجازت کے بغیر سانس بھی لے سکیں۔ چنانچہ کراچی اور اندرون سندھ کو کھوکھلا کر دیا گیا ہے۔ سوال اٹھائیے تو جواب ملتا ہے کہ ہم نے آئین میں ایسی تبدیلی کی کہ تمام اختیارات مرکز سے لیکر صوبوں کو دے ڈالے۔ کیا واقعی، یہ ایک مستند جواب ہے۔ پوچھا یہ جا رہا ہے کہ صاحب، آپ کے نوکر کی تنخواہ پندرہ ہزار روپے ہے۔ اسکے بینک اکاؤنٹ میں دس یا بارہ ارب روپے کیسے آئے اور کیونکر غیر ممالک میں منتقل ہو گئے۔ جواب یہ دیا جاتا ہے کہ خاندان نے بہت قربانیاں دی ہیں۔ درست ہے کہ ذوالفقار علی بھٹو کے ساتھ ظلم ہوا۔ بی بی شہید کو بے گناہ مارا گیا۔ مگر یہاں سے یہ نکتہ کیسے منسلک ہو گیا، کہ ہمارے خاندان کو پیسے کمانے کی مکمل اجازت ہے۔ کیا پنجاب اور سندھ کا یہ بیانیہ، لندن، نیویارک یا سوئیڈن میں اپنایا جاسکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ قطعاً نہیں۔ مگر یہاں جمہوریت کے نام پر شخصی حکمرانی اور ہولناک رشوت کو جائز قرار دینے کی کوشش کی گئی ہے۔ اگر عدلیہ یا نیب پوچھے تو مرثیہ گوئی شروع ہو جاتی ہے کہ ہمیں کام نہیں کرنے دیا جا رہا۔ یہ صرف ہمارے ملک میں ہو سکتا ہے اور ہوتا رہیگا۔

بالکل اسی طرح، دنیا کی مہنگی ترین بجلی مہیا کی جا رہی ہے۔ کونلے کے دو نمبر کارخانے، شمسی توانائی کے ناکام منصوبے، تیل سے چلنے والے بجلی بنانے والے کارخانے صرف اسلیبے لگائے گئے کہ ہر طریقے سے لوٹ مار کی جاسکے۔ "سرکلر ڈیٹ" کی ادائیگی میں سے اربوں روپے بڑے قریب سے بیرونی اکاؤنٹس میں لے لیے گئے۔ آڈیٹر جنرل آف پاکستان کو قانونی طور پر اس سرکاری ڈیوٹی سے ہی محروم کر دیا جائے کہ وہ سرکلر ڈیٹ کی ادائیگی کو قانون کے مطابق چیک کر سکے۔ ذرا بات کریں۔ تو پھر وہی ڈھنڈورا، شفافیت، میرٹ اور جمہوریت۔ اگر کوئی آڈیٹر جنرل حکم کی تعمیل نہ کرے تو ادنیٰ الزامات لگا کر جیل بھجوانے کی حکمت عملی پر عمل کیا جاتا رہا۔ عزت دار افسر تو ویسے ہی صرف عزت بچانے کیلئے غیر اہم مقامات پر جا چکے ہیں۔ ان دس سالوں میں جو معاشی کرپشن اور مظالم کیے گئے ہیں، اسکی چھان بین ہونی چاہیے۔ پوچھ گچھ کا راستہ کھلا رہنا چاہیے۔ عدلیہ اور نیب کو مزید فعال ہونا چاہیے۔ یہ جعلی جمہوریت ہمیں برباد کر گئی ہے۔ اتنی مہنگی جمہوریت سے دامن بچانا چاہیے۔ جمہوریت کے نام پر ہونے والے فراڈ کو ختم کرنا چاہیے۔ پر شائد یہ ممکن نہ ہو پائے۔ اسلیبے کہ پیسے میں بہت طاقت ہے؟

راؤ منظر حیات